تحقیق اذان

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

استفتاء علماء ومجتہدین شیعہ سے

۱۔ برادران اہلسنت والجماعت اذان میں "الصلوۃ خیر من النوم" کہتے ہیں۔ کیا یہ کلمہ ماثورہ اور رکن اذان ہے یا شعار اہل سنت ہے؟ جواب بحوالۂ کتب فریقین مطلوب ہے؟

۲۔ نماز فرادیٰ ہو کہ جماعت "اشھد ان علیاً ولی اللہ" اذان میں کہنا مستحب اور شعار اہل تشیع اور جز ایمان ہے یا نہیں۔

۳۔ دنیا کے ہر گوشہ میں اور علی الخصوص عتبات عالیات میں نماز جماعت ہو یا فرادیٰ بلاتخصیص عوام ہو کہ علما و مجتہدین ہر اذان میں "اشھد ان علیا ولی اللہ" اور "حی علیٰ خیر العمل" سفر وحضر ہر صورت میں کہتے ہیں یا نہیں؟

۴۔ اذان میں "حی علی خیر العمل" عمداً ترک کرنے سے اذان باطل ہے یا نہیں۔

۵۔ اذان میں آخر پر عمداً ایک مرتبہ "لاالہ الا اللہ" کہنے سے اذان باطل ہے یا نہیں۔

۶۔ اذان ماثورہ کیا ہے؟

۷۔ کیا اس میں کسی قسم کا ردّ وبدل یا کمی وبیشی جائز ہے مثلاً یہ کہ اسم اللہ جل جلالہ کے ساتھ کوئی مزید صفاتی جملہ از قبیل "العلی العظیم" یا "الرحمن الرحیم" جو کہ قرآن میں مذکور ہیں شریک کریں یا اسم محمدؐ کے ساتھ صلوٰۃ والسلام جس کی قرآن میں تاکید ہے اضافہ کریں؟ جواب بحوالۂ کتب مرحمت ہو۔

۸۔ کیا کوئی اسلامی فرقہ اپنی خصوصیت کی بنا پر جل جلالہ اور محمدؐ کے اسم کے سوا اہل بیت اطہارؑ یا صحابۂ کرام یا اولیاء عظام میں سے کسی کا نام بہ اظہار عقیدت شریک کر سکتا ہے مثلاً "اشھد ان ابابکر خلیفۃ رسول اللہ (یا) اشھد ان عباس عصبتہ و وارث رسول اللہ (یا) اشھد ان علیا ولی اللہ یا وصی اللہ۔

۹۔ "الصلوٰۃ خیر من النوم" ماثورہ ہے یا نہیں اور اسی طرح "حی علیٰ خیر العمل" ماثورہ ہے یا نہیں؟

۱۰۔ ایک ایسی مسجد میں جہاں سب مسلمان بلا امتیاز فرقہ مدت مدید سے نماز پڑھتے ہوں وہاں کوئی فرقہ وار اذان کی ابتدا بجا و مناسب ہوگی یا وہاں وہی اذان ماثورہ جاری رہے گی جس میں کسی فرقہ کی خصوصیت نہیں۔

۱۱۔ کیا کوئی مسجد جس کی تعمیر کی اجازت کسی خاص فرقے کا فرد حاصل کرے لیکن طلب اجازت میں مسجد کو اپنے فرقے کے لئے مخصوص نہ کرے اور عام مسلمان اس میں حسب معمول سالہا سال نماز پڑھتے رہیں کیا ایک مدت کے بعد وہ مسجد کسی ایک فرقے کے لئے اذان یا نماز کے لحاظ سے مخصوص ہو سکتی ہے؟

۱۲۔ کیا اہل تشیع کے نزدیک اذان کا بالجہر ہونا واجب ہے یا اذان خفی بھی جائز ہے؟

۱۳۔ کیا اہل تشیع کے نزدیک اذان کے واسطے مسجد کی تخصیص ہے یا مکان پر اذان دے کر بھی مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں؟

۱۴۔ کیا اہل تشیع کے یہاں "اشھد ان علیاً ولی اللہ" اذان کا جزو لازم ہے اور کیا اس کے ترک کرنے سے اذان باطل ہو جاتی ہے؟

۱۵۔ کیا اہل تشیع کے یہاں "حی علیٰ خیر العمل"

اذان کا جزو لازم ہے اور کیا اس کے ترک کرنے سے اذان باطل ہو جاتی ہے؟

۱۶۔ کیا اہل تشیع کے یہاں اذان کے آخر میں ''لا الہ الا اللہ'' دو مرتبہ کہنا لازم ہے یا ایک مرتبہ کہنا بھی ماثور ہے؟ جواب بحوالۂ کتب مرحمت ہو۔

الجواب

پیش نظر سوالات کو چونکہ فریقین کے نقطۂ نظر سے حل کرنا منظور ہے اس لئے بحث کے دو حصہ کئے جاتے ہیں۔

پہلا حصہ سنی نقطۂ نظر سے، دوسرا حصہ شیعہ نقطۂ نظر سے۔

(۱)

پہلے نقطۂ نظر سے جب ہم دیکھتے ہیں تو یہ سوال ہمارے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ کیا اذان مثل نماز کے ایسی عبادت ہے جو خداوند عالم کی طرف سے بطور وجوب یا استحباب نازل کی گئی اور اس کی ماہیت وحقیقت بالکل حکم حضرت احدیت سے عمل میں آئی ہے یا ایسا نہیں ہے بلکہ اس کی نوعیت کچھ اس سے مختلف ہے؟

ہمارے برادران اہل سنت کے منقولات کی بنا پر حضرت رسولؐ کے تمام اقوال وافعال صرف بر بنائے وحیٔ الٰہی ہی نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ اکثر آنحضرتؐ کے ذاتی اجتہاد کا نتیجہ ہوتے تھے جس میں آپ کو بمفاد ''و شاورهم في الامر'' صحابۂ کرام کے ساتھ مشورہ کا بھی حکم تھا اور کبھی ان حضرات کا مشورہ آپ کی ذاتی رائے کے خلاف ہوتا تھا۔ اور کبھی آپ کے افعال پر جو صحابۂ کرام کی رائے کے خلاف ہوئے ہیں صحابہ نے ٹوکا ہے اور حضور اکرمؐ نے بر بنائے انصاف یا بحکم خدا ان کی اصابت رائے کا اقرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں موافقات حضرت عمر مشہور ہیں۔ جیسے منافق کی نماز جنازہ کے موقع پر بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نماز کے لئے آگے بڑھے اور حضرت عمر نے آپ کا دامن پکڑ کے کھینچا کہ منافق کی نماز نہ پڑھایئے۔ حضرت نے اعتنا نہ کی۔ نتیجہ میں آیت قرآنی حضرت عمر کی رائے کے موافق نازل ہوئی۔ اسی طرح اسیران بدر کے متعلق حضرت کی رائے صحابہ کی رائے کے خلاف تھی مگر وحی سماوی نے صحابہ کی رائے کی تاکید کی۔ اس کے شواہد کتب احادیث وسیر میں کثرت سے ہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ رسالتمآبؐ کے بعض اقوال و افعال بر بنائے وحیٔ الٰہی ہوتے تھے اور خداوند عالم کی جانب سے خاص طور پر ان میں پابندی عائد ہوتی تھی۔ اس میں نماز کی رکعت، اس کی صورت، اس کی کیفیت، وضو اور غسل وغیرہ کی ترکیب داخل ہے۔ یہ وہ عبادات سمجھے جاسکتے ہیں جو بالکل توقیفی اور جن کے اجزاء وشرائط وغیرہ کی تعیین بالکل وحی الٰہی کی تابع ہے اور بعض باتیں ایسی ہوتی تھیں کہ ان میں خداوند عالم کی طرف سے کوئی حکم خاص بطور وحی نازل نہیں ہوتا تھا اور کوئی ترکیب مقرر نہیں ہوتی تھی۔ حضرت صحابہ کرام کے مشورہ سے مصالح وقت اور مناسبت اور خصوصیت کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی خاص صورت تجویز فرماتے تھے۔ اس شکل میں جب کہ خداوند عالم کی طرف سے کوئی خاص ممانعت اس صورت عمل سے نازل نہ ہوئی ہو تو اتنا تو ثابت ہوگا کہ وہ صورت ناجائز نہ تھی، ورنہ خداوند تعالیٰ اپنے رسولؐ اور تمام مسلمانوں کو ایک ناجائز کام کے ارتکاب پر برقرار نہ رہنے دیتا لیکن اس صورت عمل کو اس طرح کا توقیفی اور خاص الخاص خدا کا مقرر کردہ بھی نہیں سمجھا سکتا، جیسا کہ پہلی قسم کی عبادتوں میں ہے بلکہ اس میں اگر اسی قسم کی مصلحت جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے مقرر کرنے کی داعی ہوئی تھی کسی وقت کسی زیادتی کی داعی ہو تو مصالح مرسلہ کے تحت اس زیادتی کا ہونا جائز ہوگا۔

''مصالح مرسلہ'' کے تحت میں جو بات ہو وہ بدعت نہیں ہوا کرتی ملاحظہ ہو علامہ شیخ علی محفوظ مدرس جامعۂ ازہر کی کتاب ''الابداع فی مضار الابتداع'' مطبوعہ مصر جو جامعۂ ازہر کے شعبۂ وعظ وخطابت کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔ (صفحہ ۴۵)

''من الناس من تشتبه عليه البدع بالمصالح المرسله و منشا الغلط ان المصالح المرسلة يرجع معناها الى الاعتبار المناسب الذى لا يشهد له اصل معين

فليس له شاهد شرعی علیٰ الخصوص فلما کان ھٰهنا موضع اشتباه لان بدع المصالح المرسله يجريان من وادواحد و هو ان كلاً منهما لم يقم علیٰ خصوصه دليل شرعی و جب الفرق بينهما و قد عرفت مما تقدم ما هی البدعة و لم يبق الا ان تعرف ما هی المصالح المرسلة فنقول قسم الاصوليين المناسب الذی هو مناط الحكم الیٰ ما علم اعتبار الشرع له كمشروعة القصاص حفظاً للنفوس والاطراف وغيرها و ما علم الغاوه له كالقادر علیٰ اعتاق الرقيه فی كفارة الوقاع فی نهار رمضان لا يعدل الیٰ صيام شهرين متتابعين مع ان الاعتاق لا يزجره ويزجره الصوم و ما لا يعلم اعتباره ولا الغاؤه وهو الذی لا يشهد له اصل معين بالاعتبار انما يعلم من المقاصد الشرع العامة فيعد من رسائلها و هذا لاقسم هو الذی بسمونه بالمصالح المرسلة۔"

بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو بدعت اور مصالح مرسلہ میں دھوکا ہوجاتا ہے اور غلطی کا سبب یہ ہے کہ مصالح مرسلہ کے معنیٰ کی بنیاد ہے ایک مناسب پہلو کے لحاظ پر، جس کے لئے کوئی خاص قاعدہ شہادت دینے کے لئے موجود نہ ہو لہٰذا وہ ایسی چیز ہوتی ہے جس کے لئے کوئی شرعی سند بالخصوص موجود نہیں ہے۔ یہ دھوکا ہونے کا موقع ہے اس لئے کہ بدعت اور مصالح مرسلہ دونوں اس حیثیت سے یکساں ہیں کہ ان پر بالخصوص کوئی دلیل شرعی قائم نہیں ہوتی۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ بدعت اور مصالح مرسلہ میں فرق بیان کیا جائے۔ بدعت کے معنی سابق میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں بس مصالح مرسلہ بیان کر دینے کی ضرورت ہے علمائے اصول فقہ نے اُس مناسب پہلو کی جو کسی حکم کا مبنیٰ قرار دیا جائے تین قسمیں قرار دی ہیں: ایک وہ مناسب پہلو جس کا اعتبار شرع میں ثابت ہوگیا ہے جیسے قصاص کا مشروع ہونا، نفوس اور اعضائے جسمانی کی حفاظت کے لئے۔ دوسرے وہ کہ جس کا عدم اعتبار شرع میں ثابت ہوگیا ہو جیسے وہ شخص جو ماہ رمضان میں دن کو عورت سے مباشرت کرے اگر وہ ایک بندہ آزاد کرنے پر قادر ہے تو اسے پئے در پئے دو ماہ روزہ رکھنے کی شق کو اختیار نہیں کرنا چاہئے اگر چہ بندہ آزاد کرنے میں اس کی اتنی تنبیہ نہ ہوتی ہو جتنی روزے رکھنے کی صورت میں اس کو تنبیہ حاصل ہوتی ہے، تیسرے وہ کہ نہ تو بالخصوص اس کا اعتبار ثابت ہوا ہو اور نہ عدم اعتبار، یہ وہ ہے کہ جس کے اعتبار پر کوئی خاص قاعدہ و قانون شہادت تو نہیں دیتا مگر شریعت کے عام احکام سے جو مقصد کی منشا معلوم ہوتا ہے اس منشا و مقصد کی تکمیل اس ذریعہ سے ہوتی ہے اور یہ اس امر منشا کے پورے ہونے کے ذرائع اور وسائل میں سے ہو۔ یہ قسم وہ ہے جس کو مصالح مرسلہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے زمانے میں میں ایک اذان کا اضافہ کر دیا جیسا کہ صحیح بخاری "باب الاذان یوم الجمعہ" میں ہے:-

"عن السائب ابن يزيد قال كان الندا يوم الجمعة او له اذا جلس الامام علیٰ المنبر علیٰ عهد النبی صلیٰ الله عليه وسلم و ابی بكر و عمر فلما كان عثمان و اكثر الناس زاد النداء الثالث علیٰ الزوراء قال ابو عبد الله الزوراء موضع السوق بالمدينه۔"

سائب ابن یزید کی روایت ہے کہ اذان روز جمعہ اس وقت ہوا کرتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا تھا۔ یہ صورت حضرت رسولؐ اور ابوبکر اور عمر کے زمانے میں قائم رہی۔ جب عثمان کا زمانہ آیا اور لوگوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو انھوں نے ایک اذان کا مقام زوراء پر اضافہ کر دیا۔ زوراء مدینہ کے بازار میں ایک جگہ ہے۔

دوسری روایت "باب المؤذن الواحد يوم الجمعة" میں ہے:-

"عن السائب ابن يزيد ان الذی زاد التاذين الثالث يوم الجمعة عثمان ابن عفان حين كثر اهل مدينه و لم يكن

للنبی صلیٰ اللہ علیہ وسلم مؤذن غیر واحد وکان التاذین یوم الجمعۃ حین یجلس الامام یعنی علیٰ المنبر۔"

سائب ابن یزید کا بیان ہے کہ وہ شخص جس نے جمعہ کے دن ایک اذان کا اضافہ کردیا وہ حضرت عثمان ہیں اس وقت جب مدینہ کی مردم شماری زیادہ ہوئی۔ اور حضرت رسولؐ کے زمانے میں، بس ایک شخص اذان دیا کرتا تھا اور جمعہ کے دن اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا تھا۔

تیسری روایت **"باب الجلوس علیٰ المنبر عند التاذین"** میں ہے:-

"عن ابن شھاب ان السائب ابن یزید اخبرہ ان التاذین الثانی یوم الجمعۃ امر بہ عثمان ابن عفان حین کثر اھل المسجد وکان التاذین یوم الجمعۃ حین یجلس الامام۔"

ابن شہاب زہری نے سائب ابن یزید سے نقل کیا ہے کہ روز جمعہ یہ دوسری اذان عثمان ابن عفان نے جاری کی ہے جب مسجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور اس کے قبل اذان جمعہ بس اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھے۔

چوتھی روایت **"باب التاذین عند الخطبہ"** میں سے ہے۔

"عن الزھری قال سمعت السائب ابن یزید یقول ان الاذان یوم الجمعہ کان اولہ حین یجلس الامام یوم الجمعۃ علیٰ المنبر فی عھد رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم و ابی بکر وعمر فلما کان فی خلافۃ عثمان وکثروا امر عثمان یوم الجمعۃ بالاذان الثالث فاذن بہ علیٰ الزوراء فثبت الامر علیٰ ذالک۔"

اذان روز جمعہ شروع میں بس اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا تھا۔ یہ صورت برابر حضرت رسولؐ اللہ اور ابوبکر و عمر کے زمانے میں قائم تھی لیکن جب عثمان کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگوں کی مردم شماری زیادہ ہوئی تو آپ نے جمعہ کے دن ایک اور اذان کا حکم دیا جو زوراء میں دی جانے لگی اور اس کے بعد یہ برابر جاری ہوگئی۔

اس قسم کی روایت حافظ ابوداؤد اور نسائی نے بھی درج کی ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت رسولؐ اکرم کے زمانے میں نماز جمعہ کے لئے صرف ایک اذان ہوتی تھی لیکن حضرت عثمان نے دو اذانیں مقرر کردیں ایک اذان بازار میں اور ایک اذان پھر مسجد کے دروازہ پر۔ اس پہلی اذان کا جو بازار میں دی جانے لگی نہ وجود حضرت رسول کے زمانے میں تھا اور نہ حضرات شیخین کے عہد میں، یہ بالکل حضرت عثمان کی ایجاد تھی۔

ظاہر ہے کہ اگر اذان مثل نماز کے توقیفی حیثیت رکھتی ہوتی تو یہ صورت ممکن نہیں تھی کیونکہ نماز مثلاً پانچ وقت کے علاوہ چھ وقت کبھی نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی شخص اس کو گوارا کرسکتا ہے اس لئے کہ وہ بالکل توقیفی حیثیت رکھتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اذان کی نوعیت کچھ نماز سے مختلف ضرور ہے۔ اذان کے متعلق یہ پتہ چل گیا ہے کہ وہ اظہار و اعلان کی غرض سے قرار دی گئی ہے لہٰذا اگر کسی وقت اظہار و اعلام کے لئے دو یا اس سے زیادہ اذانوں کی ضرورت محسوس ہوتو اسے بھی جائز سمجھا جائے گا۔

اذان کے شروع شروع مشروع ہونے کے جو روایات پائے جاتے ہیں ان میں سے بھی اس حقیقت کا بہت کچھ پتہ چلتا ہے یعنی اذان مثل نماز کے ایک ایسی چیز نہیں ہے جو بطور وحی رسالت مآبؐ پر نازل ہوئی ہو اور اس طرح کی توقیفی عبادت ہو جیسے نماز بلکہ اس کی تشریع اور اس کی صورت زیادہ تر مسلمانوں کے مشورے اور ان کی صوابدید سے ہوئی ہے جس کو رسالت مآبؐ نے بھی پسند کیا ہے۔

'کنز العمال' میں متعدد روایتیں ہیں جن میں یہ ہے کہ اذان کی صورت ایک انصاری صحابی کے خواب کی بنا پر قرار پائی ہے جن کا نام عبداللہ ابن زید انصاری تھا۔

پہلی روایت: جامع عبدالرزاق سے

''بینا انا نائم اذ رأیت رجلاً معه خشبتان فقلت له فی المنام ان النبی صلیٰ اللہ علیه و سلم یرید ان یشتری هٰذین العودین یجعلهما ناقوصاً یضرب به للصلوٰۃ فالتفت الی صاحب العود براسه فقال انا ادلکم علیٰ ما هو خیر من هٰذا۔''

عبداللہ ابن زید کا بیان ہے کہ میں سو رہا تھا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں دو لکڑیاں ہیں میں نے خواب میں اس شخص سے کہا، حضرت رسولؐ یہ دونوں لکڑیاں خریدنا چاہتے ہیں، ناقوس بنوائیں گے جو اوقات نماز میں بجایا جائے، وہ میری طرف متوجہ ہوا اور اس نے کہا: 'میں تم لوگوں کو اس سے بہتر ترکیب بتاتا ہوں، (اس کے بعد اذان کی تعلیم دی)۔

دوسری روایت: ابوالشیخ کی کتاب الاذان سے

''کان رسول اللہ صلی علیه و آله و سلم قد هم بالبوق و امر بناقوس فنحت فاریٰ عبداللہؓ بن زید فی المنام قال رأیت رجلاً علیه ثوبان اخضران یحمل فی یده ناقوساً فقلت یا عبد اللہ أتبیع هٰذا الناقوس قال و ما تصنع به قلت تنادیٰ للصلوٰۃ قال افلا ادلک علیٰ ما هو خیر من ذالک فقلت بلیٰ قال تقول اللہ اکبر اللہ اکبر۔۔۔الخ''

حضرت رسولؐ نے بوق کا ارادہ کیا اور ناقوس کا تو حکم بھی دے دیا یہاں تک کہ وہ بن گیا اس وقت عبداللہ ابن زید نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہے جو دو سبز حلے پہنے ہے اور اس کے ہاتھ میں ناقوس ہے (عبداللہ کا بیان ہے کہ) میں نے کہا کیوں بندۂ خدا! تو یہ ناقوس فروخت کرے گا۔ اس نے کہا ناقوس کیا کروگے؟ میں نے کہا نماز کا اعلان کریں گے۔ اُس نے کہا میں تم کو اس سے بہتر ترکیب نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: 'ہاں کیوں نہیں، اس نے کہا تم کہو اللہ اکبر اللہ اکبر۔۔۔الخ

یہ روایت سنن ابن ماجہ میں بھی مذکور ہے۔

تیسری روایت

''کان رسول اللہ صلیٰ اللہ علیه و آله و سلم قد همه الاذان حتیٰ همّ ان یامر رجالاً فیقومون علیٰ الاطام فیرقعون و یشیرون الیٰ الناس بالصلوٰۃ حتیٰ رأیت فیما یریٰ النائم کان رجلاً علیه ثوبان اخضران علیٰ سور المسجد یقول۔''

رسول کو اعلان نماز کے بارے میں بڑی فکر تھی یہاں تک کہ آپ نے قصد کیا کچھ لوگوں کو ٹیلوں اور بلندیوں پر کھڑے ہونے کا حکم دیں اور وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر لوگوں کو نماز کا اشارہ کریں۔ عبداللہ ابن زید کا بیان ہے کہ اس وقت میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ہے جو دو سبز حلے پہنے مسجد کے بیرونی احاطے کی دیوار پر کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر۔۔۔الخ

چوتھی روایت:

''اهتم رسول اللہ صلیٰ علیه و آله و سلم بالاذان بالصلوٰۃ و کان اذا جاء وقت الصلوٰۃ صعد برجل فیشیر بیده فمن راه جاء و من لم یره لم یعلم بالصلوٰۃ فاهتم لذالک هما شدیدا فقال له بعض القوم یا رسول اللہ لو امرت باناقوس فقال رسول اللہ صلیٰ اللہ علیه و سلم فعل النصاریٰ لا فقالوا لو امرت بالبوق فننفخ فیه فقال فعل الیهود لا فرجعت الیٰ اهلی و انا مغتم لما رأیت من اهتمام رسولا للہ صلیٰ اللہ و علیه و سلم فی حاله حتیٰ اذا کان الیل قبل الفجر غشینی النعاس فرأیت رجلاً علیه ثوبان اخضران و انا بین النائم و الیقظان فقام علیٰ سطح المسجد فجعل اصبعیه فی اذنیه و نادیٰ۔۔۔الخ۔''

حضرت رسولؐ کو نماز کے اعلان کی بڑی فکر تھی۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو آپ کسی آدمی کو بلندی پر بھیجتے تھے کہ وہ لوگوں کو ہاتھ سے اشارہ کرے۔ جو دیکھ لیتا تھا وہ آتا تھا اور جو نہ دیکھتا تھا اسے نماز کی اطلاع نہ ہوتی تھی۔ حضرت کو اس کا بڑا ملال ہوا۔ بعض لوگوں نے کہا ناقوس بجانے کا حکم دے دیجئے۔

حضرت نے فرمایا: ''یہ نصاریٰ کا طرز عمل ہے۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' انھوں نے کہا: ''اچھا بوق بجانے کا حکم دیجئے۔'' آپ نے فرمایا: ''یہ یہودیوں کا طریقہ ہے یہ بھی ٹھیک نہیں۔'' عبد اللہ ابن زید کا بیان ہے میں اپنے گھر جو آیا تو مجھے رسالت مآبؑ کی اس پریشانی کا بڑا ملال تھا، یہاں تک کہ جب رات ہوئی تو صبح کے قریب مجھ پر نیند کا کچھ غلبہ ہوا۔ میں نے اس حالت میں جو خواب اور بیداری کے درمیان کی ہوتی ہے، ایک شخص کو دیکھا جو دو سبز حلے پہنے ہوئے تھا، وہ مسجد کے کوٹھے پر کھڑا ہوا اور اس نے دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھیں اور پکار کر کہا: ''اللہ اکبر اللہ اکبر۔۔۔ الخ۔

پانچویں روایت:

''عن ابی عمیر بن انس قال اخبرنی عمومة لی من الانصار قال اھتم النبی صلیٰ اللہ علیہ وسلم باصلوٰة کیف یجمع الناس لھا فقیل انصب رایة عند حضور الصلوٰة فاذا راھا الناس اخبر بعضھم بعضاً فلم یعجبہ ذالک و ذکر لہ المنفخ فلم یعجبہ ذالک و قال انہ من امر الیھود وذکر لہ الناقوس فلم یعجبہ ذالک و قال ھو من امر النصاریٰ فانصرف عبد اللہ ابن زید وھو مھتم بھم النبی صلیٰ اللہ علیہ و آلہ وسلم فاریٰ الاذان فی منامہ۔''

''ابوعمیر بن انس کا بیان ہے کہ میرے کچھ اعمام مجھ سے جو انصار میں سے تھے بیان کیا کہ رسالت مآبؑ کو نماز کے متعلق بڑی فکر تھی کہ لوگوں کو اس کے لئے جمع کیوں کر کیا جائے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ نماز کا وقت آنے پر ایک جھنڈا نصب کرا دیا کیجئے جب لوگ اسے دیکھیں گے تو باہم ایک دوسرے کو خبر دے دیں گے۔ حضرت نے یہ رائے پسند نہیں کی بعض لوگوں نے بوق کا مشورہ دیا وہ بھی ناپسند ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ یہودیوں کا طریقہ ہے بعض نے ناقوس کا ذکر کیا، آپ نے اسے بھی ناپسند کیا اور فرمایا یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ عبد اللہ ابن زید اپنے گھر جو واپس آئے تو وہ رسالت مآبؑ کی پریشانی سے بہت فکر مند تھے، ان کو خواب میں اذان کی صورت دکھلا دی گئی۔''

چھٹی روایت:

''عن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ قال حدثنا اصحاب رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ و سلم ان عبداللہ ابن زید الانصاری جاء الیٰ نبی صلیٰ اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ رأیت فی المنام کان قائم و علیہ بردان اخضران علیٰ جذمة حائط فاذن۔''

''عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ نے مختلف صحابہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ عبد اللہ ابن زید انصاری حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسولؐ اللہ مجھے خواب میں نظر آیا کہ ایک شخص دو حلے پہنے ہوئے ایک دیوار کی منڈیر پر کھڑا ہے اور اس نے اذان دی ہے۔''

ساتویں روایت:

''عن الشعبی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھتم بالصلوٰة اھتماماً شدیداً تبین ذالک فیہ و کان مما اھتم بہ من امر الصلوة ان ذکر الناقوس فقال ھو من امر النصاریٰ ثم اراد ان یبعث رجالا یؤذنون الناس بالصلوٰة فی الطرق ثم قال اکرہ ان اشغل رجالاً عن صلوٰتھم غیرھم فانصرف عبد اللہ ابن زید مھتم بھم النبی صلیٰ اللہ و آلہ و سلم فاتاہ فیما یریٰ النائم فقال لہ ایت رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وسلم فمرہ فلیام رجلاً فلیؤذن عند حضور الصلوٰة یقول اللہ اکبر اللہ اکبر۔۔۔۔ الخ''

''شعبی کی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے بارے میں بڑی فکر ہوئی جو نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ اس سلسلہ میں ناقوس کا تذکرہ ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ پھر آپ نے ارادہ فرمایا کچھ لوگ بھیجے جایا کریں جو راستوں پر کھڑے ہو کر دوسرے لوگوں کو نماز کی اطلاع دیں لیکن بعد کو آپ نے فرمایا یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کچھ لوگوں کی نماز کی خاطر دوسرے کچھ لوگوں کو نماز سے روکا جائے اور بلانے

میں مصروف کیا جائے۔ عبداللہ ابن زید رسالت مآبؐ کی اس پریشانی سے متفکرانہ حالت میں گھر واپس آئے۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص آیا ہے اور وہ ان سے کہتا ہے کہ تم رسالتمآبؐ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ کسی کو مامور کریں کہ نماز کے وقت پر پکار کے کہا کرے اللہ اکبر اللہ اکبر۔

ان روایت سے یہ نتیجہ یقینی طور سے نکلتا ہے:-

(الف) نماز کے لئے اذان کی خاص طور سے مشروعیت کسی وحیٔ آسمانی کی بنا پر نہ تھی کہ جس طرح نماز واجب ہوئی تھی اور فرض قرار دی گئی تھی اور اس کی ترکیب بتائی گئی تھی اس کے آداب و مستحبات میں سے اذان بھی بتلائی گئی ہو بلکہ رسالتمآبؐ نے خود یا دوسرے مسلمانوں کے توجہ دلانے سے اس ضرورت کا احساس فرمایا کہ مسلمانوں کو اوقات نماز کے اعلام کے لئے کوئی صورت ہونی چاہئے۔

(ب) اس اعلام کی صورت کو مسلمانوں کی رائے پر چھوڑا گیا اور ان سے مشورہ لیا گیا۔

(ج) مختلف مشورے لوگوں نے دئے یا حضرت نے خود خیال فرمائے مثلاً

(۱) بوق (بھوپو) بجایا جائے اور اس سے مسلمانوں کو اطلاع ہو۔

(۲) ناقوس (شنکھ/शंख) بجایا جائے۔

(۳) کچھ لوگ معین ہوں اور وہ بلندیوں اور ٹیلوں پر کھڑے ہوکر ہاتھوں سے اشارہ کریں اور لوگوں کو مسجد کی طرف بھیجیں۔

(۴) نماز کے وقت ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے جب لوگ اس کو دیکھیں تو ایک دوسرے کو خبر کر دیں گے۔

(۵) لوگ چوراہوں کی طرف بھیجے جائیں اور وہ کھڑے ہوں جو ملے اس کو مسجد کی طرف بھیجیں۔ ان میں سے بعض صورتوں کو رسالت مآبؐ نے بالکل ناپسند کیا۔ بعض کے کرنے کا ارداہ کیا اور ناقوس کے متعلق یہاں تک ہے کہ آپ نے ناپسند ہونے کے باوجود بنوا بھی لیا تھا اور وہ بن بھی گیا تھا۔

حضرت کے اس تفکر و اہتمام سے صحابہ کی نظر میں اس مسئلہ کو بڑی اہمیت حاصل ہوگئی تھی اور وہ اس فکر میں مستغرق اور اس خیال میں محو رہتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن انصاری کو اس میں بڑا استغراق تھا آخر کو انہیں خواب نظر آ گیا لیکن اس خواب کے مضمون میں بڑا اختلاف ہے یہاں تک کی کوئی ایک روایت بھی ایک دوسرے سے ملتی ہوئی نہیں ہے۔

پہلی روایت میں ہے کہ ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں دو لکڑیاں تھیں۔ عبداللہ ابن زید نے اس سے کہا کہ رسالتمآبؐ ان دونوں لکڑیوں کو خریدنا چاہتے ہیں۔ ناقوس بنوائیں گے جو نماز کے وقت بجایا جایا کرے اس لکڑیوں والے شخص نے کہا میں تم کو اس سے بہتر صورت بتاتا ہوں اور اس وقت اذان کی تعلیم دی۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص دو سبز حلے پہنے ہوئے تھا اور بنا بنایا ہوا ناقوس ہاتھ میں لئے تھا۔ عبداللہ ابن زید نے کہا کہ کیوں یہ ناقوس فروخت کروگے؟ (یہ نہیں کہ رسالتمآبؐ اسے خریدنا چاہتے ہیں تاکہ اس کو وقت نماز پر بجوائیں۔) اس نے کہا: ناقوس کیا کروگے؟ تب انہوں نے کہا کہ ہم اسے نماز کے اوقات میں بجوائیں گے۔ اس نے کہا: میں اس سے بہتر صورت نہ بتاؤں۔

تیسری روایت میں نہ ناقوس ہے نہ لکڑیاں، کچھ نہیں، نہ کچھ گفت و شنید۔ بس ایک مرتبہ خواب میں یہ دیکھا ہے کہ دو سبز حلے پہنے ہوئے ایک شخص ہے جو مسجد کی بیرونی چہار دیواری کے اوپر کھڑا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے: اللہ اکبر اللہ اکبر۔

چوتھی روایت میں یہ آدمی مسجد کے کوٹھے پر کھڑا ہے اور کان میں انگلیاں رکھ کر باقاعدہ اذان دیتا ہے۔

پانچویں روایت میں بس اتنا ہے کہ خواب میں آنے والے نے اذان کی ترکیب دکھلائی ہے۔ تفصیل کچھ نہیں ہے۔

چھٹی روایت میں وہ آنے والا ایک غیر معین دیوار کی منڈیر پر کھڑا ہے۔ یہ مسجد کی بیرونی چہار دیواری ہے، نہ مسجد کی چھت۔

ساتویں روایت میں دکھلائی دینے والا نہ تو دو لکڑیاں یا ناقوس لئے ہوئے ہے جس سے کچھ سوال و جواب ہوا اور نہ بطور خود مسجد کی چھت یا احاطہ کی دیوار یا کسی اور دیوار کی منڈیر پر کھڑا ہے اور اذان دے رہا ہے بلکہ اس نے صبر و سکون کے ساتھ خود ان سے یہ کہا ہے تم جا کر رسالت مآبؐ کے پاس کہو کہ وہ کسی کو مامور کریں کہ وہ نماز کے وقت اس طرح اذان دیا کرے۔

یہ وہ عظیم اختلاف ہے جو اس خواب کی کیفیت میں پایا جاتا ہے۔ ان روایات میں یہ بھی ہے کہ جب وہ انصاری اپنا خواب بیان کر چکا اور حضرت نے اس کے خواب کی اطلاع بلال کو کر کے اذان پر مامور کر دیا تو حضرت عمر نے فرمایا میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا تھا مگر مجھے بیان کرنے میں شرم دامنگیر ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بیس دن کے بعد کہا کہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا مگر بیان نہیں کیا تھا۔

انسان واقعی ایسے مقام پر متحیر ہو جاتا ہے کہ ایک ہی خواب ایک ہی شخص کا بیان کیا ہوا اور اس میں اتنا عظیم اختلاف کہ کوئی ایک روایت دوسرے سے ملتی نہیں ہے آخر انسان کس کو صحیح سمجھے اور کس کو نہ سمجھے۔

یہ بات بھی اپنی نوعیت میں عجیب ہے کہ رسالت مآبؐ جو اس مسئلہ میں اتنے زیادہ متفکر و پریشان تھے۔ ان پر نہ وحی نازل ہو، نہ خواب دکھلائی دے اور ایک بزرگ کو صحابہ میں سے خواب دکھلائی دے جائے جس کو رسالت مآبؐ بھی قائم مقام وحی سمجھ لیں۔ یہ وہ چیز ہے جس پر علماء بڑے ششش و پنج میں پڑے ہوئے ہیں۔

علامہ سندی محمد ابن عبد الہادی حنفی مدنی حاشیہ سنن ابن ماجہ میں لکھتے ہیں:

"جاء فی ابی داؤد انہ صلی اللہ علیہ و سلم قال انہا رؤیا حق انشاء اللہ وھو یقید انہ صلی اللہ علیہ وسلم ما عمل برؤیا رجل الا بعد معرفۃ انہا حق اما بوحی او الہام او باجتہاد منہ من حیث ۔۔۔۔ نظماً یبعد دیہ مداخل الشیطان او من حیث انہ ذکر و فداء الناس للصلوٰۃ و کل ذالک جائز فی نفسہ لایتوقع علیہ ترتب الخلل۔"

سنن ابوداؤد میں یہ ہے کہ حضرت نے خواب کو سن کر فرمایا: "انشاء اللہ" یہ سچا خواب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے خواب پر عمل کیا اس وقت جب سمجھ لیا کہ وہ سچا خواب ہے یا تو وحی کے ذریعہ یا الہام سے یا اپنے ذاتی اجتہاد سے کہ یہ الفاظ کی ترتیب ایسی ہے جن میں شیطان کی دخل اندازی نہیں معلوم ہوتی ہے یا اس حیثیت سے آپ نے عمل کر لیا کہ اس میں ہے ہی کیا، ذکر الٰہی ہے اور لوگوں کو نماز کی دعوت ہے اور یہ دونوں باتیں بجائے خود جائز ہیں لہٰذا اس کے کہنے میں کسی خرابی کا اندیشہ نہیں ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت کا اس خواب کے اوپر عمل کرنا یہ یقینی نہیں ہے کہ وحی و الہام کی بنا پر ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ حضرت کے "یہ انشاء اللہ سچا خواب ہے" صاف بتلاتے ہیں کہ کسی خاص وحی و الہام کا قدم درمیان میں نہ تھا۔ پھر جبکہ یہ یقینی نہیں یا یقینا نہیں ہے اور حضرتؐ کا اس خواب پر عمل کرنا آخری وجہ کی بنا پر ہے جیسا کہ اس صورت حال کی بنا پر جو قائم تھی انتہائی قرین قیاس ہے یعنی اصل مسئلہ یہ زیر غور ہی تھا کہ کیا صورت اختیار کی جائے، ناقوس بجوانے تک پر حضرتؐ راضی ہو گئے تھے تا کہ اعلام و اعلان کا مقصد پورا ہو، اب جو ایک صورت آپ کے سامنے آئی جس میں ذکر الٰہی ہے تو آپ نے اس پر عمل جاری کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں خیال کیا بلکہ اسے مجوزہ تمام صورتوں میں بہتر خیال فرمایا لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ موجودہ صورت جو خواب میں دیکھی گئی ہے وہ کوئی خاص توقیفی حیثیت رکھتی ہے جس میں مثل صورت نماز وغیرہ کے جو بہ وحی الٰہی ثابت ہوئی کسی زیادتی کی گنجائش نہیں۔

صحیح بخاری میں جو ان تمام کتب صحاح میں اصح الکتاب مانی گئی ہے خواب والی روایت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور علامہ عینی نے شرح میں صاف طور سے لکھ دیا ہے کہ مصنّف نے وہ حدیث درج نہیں کی اس لئے کہ وہ ان کے معیار کے مطابق صحیح نہیں تھی اس میں ''باب بدء الاذان'' میں جو روایت ہے، وہ حسب ذیل ہے:-

''ابن جریح قال اخبرنی نافع ان ابن عمر کان یقول کان المسلمون حین قدموا المدینۃ یجتمعون فیتحینون الصلوٰۃ لیس ینادی لھا فتکلموا یوماً فی ذالک فقال بعضھم اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصاریٰ وقال بعضھم بل بوقاً مثل بوق الیھود فقال عمر اولاً تبعثون رجلاً ینادی بالصلوٰۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یابلال قم فناد بالصلوٰۃ۔''

حضرت عبداللہ ابن عمر کا بیان ہے کہ مسلمان جب مدینہ میں آئے ہیں تو وہ مجتمع ہوتے تھے اور نماز کے وقت کا انتظار کرتے تھے۔ نماز کے لئے کوئی اعلان نہ تھا۔ ایک روز ان لوگوں نے اس کے متعلق گفتگو کی۔ بعض کی رائے ہوئی کہ نصاریٰ کی طرح کا ناقوس بنوا لو۔ بعض نے کہا کہ یہودیوں کی طرح کا بوق۔ حضرت عمر نے کہا: ''کیوں نہیں ایک آدمی کو بھیج دیتے کہ وہ الصلوٰۃ کی آواز بلند کردے'' رسالت مآبؐ نے فرمایا: جاؤ بلال نماز کی آواز بلند کرو۔

اس میں ابتداء اذان کی حضرت عمر کے مشورے سے صرف ندائے صلوٰۃ کے عنوان سے معلوم ہوتی ہے خواہ الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی آواز ہو یا حی علی الصلوٰۃ کی صدا یہ اذان کا ابتدائی خاکہ ہے۔ بلال نے اس میں خود یا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم سے شہادت توحید کا اضافہ کرلیا تھا کہ وہ اسلامی نشان ہے اور اصل اصول اسلام وایمان ہے بظاہر کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ قائم رہا۔

'کنزالعمال' میں ہے:-

''ان ابن عمر ان بلالا کان یقول اشھد ان لا الٰہ الا اللہ حی علیٰ صلوٰۃ فقال عمر قل فی اثرھا اشھد ان محمد رسول اللہ فقال النبی صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم قل کما امرک عمر۔''

ابن عمر کی روایت ہے کہ بلال نے جب اذان دینا شروع کی تو وہ اتنا کہا کرتے تھے کہ **اشھد ان لا الٰہ الا اللہ۔ حی علیٰ الصلوٰۃ**۔ حضرت عمر نے کہا کہ شہادت توحید کے بعد یہ بھی کہو کہ **اشھد ان محمد رسول اللہ**۔ رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ کہو جیسا عمر تم کو حکم دیتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا حضرت عمر نے شہادت توحید کو سن کر یہ خیال کر کے کہ جب ایک رکن کی ارکان دین میں سے شہادت دی جا رہی ہے تو دوسرا رکن کیوں رہ جائے، شہادت رسالت کا اضافہ کر دیا۔ اس کو بھی رسالت مآبؐ نے پسند فرمایا۔ اس سیاق سے مندرجہ ذیل نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

(۱) اصل اذان کی بنیاد اعلان واعلام نماز کی غرض سے تھی جس کا اصلی جز یا ابتدائی خاکہ صرف **الصلوٰۃ یا حی علیٰ الصلوٰۃ** تھا۔

(۲) اس بنا پر کہ اس اعلان میں اسلامی نقارۂ توحید کا آوازہ شریک ہوجائے اور اس شعار اسلامی کے اعلان کے پہلے حقیقت رکن دین اسلامی یعنی توحید کا مظاہرہ ہوجائے۔ اس میں شہادت توحید کا اضافہ ہوا جو کچھ عرصہ تک یوں ہی جاری رہا۔

(۳) حضرت عمر نے یہ خیال کر کے کہ شہادت توحید بغیر شہادت رسالت بجائے خود مکمل نہیں ہوتی تو اذان کے اعلان میں کیوں اس جز کے ساتھ اس کو بھی شریک نہ کر دیا جائے، اس میں شہادت رسالت کا اضافہ کیا۔

(۴) یہ سب کچھ کسی وحی الٰہی پر مبنی نہ تھا اور حضرت عمر کو اس کا احساس تھا کہ اذان کی اس ترتیب وتشکیل کا نقشہ کسی وحی الٰہی پر مبنی نہیں ہے اسی لئے تو اصل اذان قائم ہونے کے موقع پر انھوں نے رسالت مآبؐ کی خدمت میں اپنا خواب پیش کیا ہے

کہ پھر حضرتؑ وحی کے مطابق اس پر عمل فرمائیں یا نہ فرمائیں بلکہ براہ راست مستقل طور پر آپ نے صحابہ سے کہا کہ "**اولاً تبعثون رجلاًینادیٔ بالصلوٰۃ**" تم لوگ کیوں نہیں بھیج دیتے ایک شخص کو کہ جو صلوٰۃ کی ندا کرے۔

اسی طرح دوسرے موقع پر یعنی شہادت رسالت کے اضافہ کے موقع پر بھی آپ نے براہ راست بلال سے کہا کہ **قل فی اثرھا اشھد ان محمداً رسول اللہ** کہو شہادت توحید کے بعد **اشھد ان محمداً رسول اللہ**۔

اس طرح کا تحکم کسی ایسے امر میں نہیں ہوسکتا جس کی بنیاد توقیف شرعی پر ہو یہ اور بات ہے کہ پہلی جگہ دوسرے صحابہ نے اور دوسری جگہ بلال نے آپ کے حکم پر عمل کرنے میں تامل کیا، اس لئے رسالت مآبؐ نے بھی فرمادیا کہ ایسا ہی کرو جیسا عمر کہتے ہیں، ورنہ حقیقتاً اذان کے معاملہ میں گویا یہ امر مسلم تھا کہ اس کی بنیاد وحی الٰہی اور توقیف خداوندی پر نہیں ہے۔ ورنہ حضرت عمر کو اتنی جرأت اس معاملہ میں دخل اندازی بلکہ فرمان فرمائی کی نہ ہوتی۔

رہ گئی شہادت توحید، اس کی ذمہ داری اس روایت میں صرف بلال پر عائد کی گئی ہے کہ وہ یوں کہا کرتے تھے بظاہر یہ ان کا ذاتی اجتہاد تھا جس کی بنا پر انہوں نے یہ فقرہ داخل کیا تھا اور وہ معمول بہ رہا۔

۞

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اگر خود رسالت مآبؐ کے طرز عمل اور قول و فعل سے یہ امر ثابت ہو جائے کہ وہ کسی شئی کے اظہار و اعلان کو قریب قریب اتنا ہی دوست رکھتے تھے جتنا اپنی رسالت و نبوت کے اظہار و اعلان کو بلکہ اس کو آپ نے اپنی رسالت کے ساتھ مقرون و متصل قرار دیا ہو تو اس کا اعلان شہادت رسالت کے بعد "مصالح مرسلہ" کے تحت جائز کیوں نہ ہو۔

یہ کوئی شخص نہ کہے کہ پھر آپ نے حکم کیوں نہیں دیا۔ مذکورۂ بالا روایت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے تو ابتداءً اپنی رسالت کے بانگ بلند اذان میں اعلان کرنے کا حکم بھی نہیں دیا تھا مگر حضرت عمر نے بلال سے کہہ دیا کہ تم اسے کہا کرو۔ آپ نے بھی سکوت اختیار فرمایا کہہ دیا کہ جو کچھ عمر کہتے ہیں، ان کی بات مانو۔ لہٰذا اگر حضرت عمر یا کوئی ایسے بزرگ اس کا احساس کرتے کہ اس شہادت کو بھی کہنا چاہئے اور اس وقت حضرت صلعم منع فرماتے تو معلوم ہوتا کہ کہ اس کا کہنا خاص طور سے ممنوع ہے۔

آپ کا کام اتنا تھا کہ آپ سمجھا دیں کہ اس بات کا اقرار و اعتقاد بھی میری رسالت کے اقرار و اعتقاد کے ساتھ مقرون اور قریب قریب مساوی درجہ رکھتا ہے جس کو آپ نے سمجھایا اور بتلادیا لہٰذا اس امر کے متعلق جس کو حضرت نے بتلایا یا مسلمانوں کو خود مصالح مرسلہ کے تحت میں یہ سمجھنے کے بعد کہ یہ بھی اقرار رسالت کی طرح ایک ضروری امر ہے اور نیز اس کے اعلان میں رسولؐ نے خود کتنا اہتمام کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے بیش از بیش اعلام حضرتؐ کو مطلوب تھا، یہ احساس کرنا چاہئے تھا کہ اگر یہ شہادت رسالت کے بعد اذان میں بطور اعلام و اعلان داخل ہو جائے تو یہ کوئی ناجائز امر نہیں بلکہ مفاد و منشاء حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہی ہوگا۔ وہ چیز جس کو آپ نے اپنی نبوت و رسالت کی تصدیق کا مقرون قرار دیا اور بنص متواتر متفق علیہ ہیں بالکل اس کا اعلان و اظہار فرمایا وہ ولایت علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔

ایک طرف قول حضرت باریٔ تعالیٰ:

"**انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون۔**"

جس میں ولایت خداوند عالم جس کا عنوان ہے الوہیت، ولایت رسول کریمؐ جس کا عنوان ہے رسالت، ولایت خاصہ اس شخص کی جو بحالت رکوع زکوٰۃ ادا کرے، تینوں کو ایک سلک میں قرار دے کر یہ ظاہر کیا ہے کہ پہلی ولایت سے متصل دوسری

ولایت اور دوسری سے متصل تیسری ہے اور ان میں فصل وتفریق نہیں ہے اور یہ باجماع مفسرین ثابت ہے کہ یہ آیت شان والا شان حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ میں نازل ہوئی ہے۔

دوسری طرف نص متواتر حضرت رسول اکرمؐ اس اہتمام بلیغ کے ساتھ کہ حجۃ الوداع سے واپس آکر ہزاروں آدمیوں کے مجمع کو سخت تمازت وآفتاب حرارت ہوا میں روک کر لق و دق میدان کے اندر فراز منبر پر باآواز بلند فرمایا: "الست اولیٰ بکم من انفسکم قالوا بلیٰ قال من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ" اس طرح ولایت علیؑ کو اپنی ولایت کے ساتھ جو بعنوان رسالت ہے مقرون فرما کر دونوں کی ایک حیثیت ثابت کی اور ایک حکم میں شریک قرار دیا اور یہ ثابت کیا جو آپ کی مولویت بحیثیت رسالت کا اقرار کرے اسے علیؑ ابن ابی طالبؑ کی مولویت بمعنیٰ ولایت کا بھی اقرار کرنا لازمی ہے اور اس اہتمام بلیغ سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ آپ کو اس کے اعلام واعلان میں انتہائی اہتمام ہے۔

اس کے بعد اگر مسلمان مصالح مرسلہ کے تحت رسول کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے اشھد ان محمداً رسول اللہ کے بعد جس معنیٰ سے وہ انما ولیکم اللہ الخ اور من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کی حدیث پر ایمان لائے ہوں اس معنیٰ سے اشھد ان علیا ولی اللہ کہنے لگیں تو یہ کسی طرح جرم نہ ہوتا اور نہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشاء کے خلاف ہوتا اس لئے کہ یہ آپ کا عین مطلوب تھا۔

یہ خیال کرنا کہ آخر رسالت مآبؐ کے زمانے میں یہ کس لئے رائج نہیں ہوا؟ اس بنا پر بھی صحیح نہیں ہے کہ اس عمومی اعلان ولایت کے بعد حضرت رسول اکرمؐ مدینہ میں آکر زندہ ہی بہت کم رہے اور وہ بھی زمانہ اکثر بیماری میں گذرا، لیکن جب کہ اذان میں شہادت توحید ورسالت کا مقصد آپ کی مصلحت اور ولایت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے متعلق آپ کا حقیقی منشاء معلوم ہو گیا تھا تو مسلمانوں کو اس میں آپ کے صریحی حکم کی جستجو کرنا یا بسبب قلت وضیق وقت آپ کے سامنے اس کے رائج نہ ہونے یا اس کے ہم تک بطور روایت نہ پہنچنے کی آڑ میں پناہ لینا ہرگز ہرگز کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

۞

حی علی الصلوۃ کے ساتھ حی علیٰ الفلاح کا ثبوت

خود رسالت مآب کے طرز عمل سے ملتا ہے ملاحظہ ہو ابن ابی ملیکہ کی روایت:

"قال اذن رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم مرۃ فقال حی علیٰ الفلاح۔"

"حضرت نے ایک مرتبہ اذان فرمائی تو اس میں حی علیٰ الفلاح کہا۔"

اور حی علیٰ خیر العمل کی نسبت 'کنز العمال' میں یہ روایت ہے کہ:

کان بلال یوذن بالصبح فیقول حی علیٰ خیر العمل۔

بلال صبح کی جو اذان دیتے تھے اس میں حی علیٰ خیر العمل کہتے تھے۔

بیہقی نے "سنن الکبریٰ" میں حضرت عبداللہ ابن عمر کے متعلق لکھا ہے:-

انہ کان یؤذن بحی علیٰ خیر العمل احیاناً۔

آپ اکثر اذان میں حی علیٰ خیر العمل کہتے تھے۔

حضرت علی ابن الحسینؑ سے روایت ہے کہ "ھو الاذان الاول" اصلی اذان یہی ہے۔

محب طبری نے زید ابن ارقم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بھی اذان میں حی علیٰ خیر العمل کہا ہے۔

۞

الصلوٰۃ خیر من النوم کے متعلق بعض روایات میں اس قسم کے اجتہاد کی ذمہ داری بلال پر عائد کی گئی ہے جیسا کہ مسند عبداللہ ابن عمر والی روایت میں کنز العمال کی ہے۔

"قال الزھری و زاد بلال فی نداصلوٰۃ الفجر الصلوٰۃ خیر من النوم فاقرھا النبی صلیٰ اللہ علیہ و سلم۔"

زہری کا بیان ہے کہ بلال نے نماز صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کرو تو حضرت رسول نے اسے برقرار رکھا۔

لیکن دوسری روایتیں اس کے خلاف ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فقرہ جناب رسالت مآب کے بعد بڑھا ہے کہ ان میں سے بعض میں سے اس کی ذمہ داری حضرت عمر پر لگائی ہے جس کی نوعیت بھی مختلف ہے ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر نے خود اپنے موذن کو مامور فرمایا کہ وہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہا کرے۔ ملاحظہ ہو 'کنز العمال' 'باب التثویب':-

"ان عمر لموذنہ اذا بلغت حی علی الفلاح فی الفجر فقل الصلوٰۃ خیر من النوم الصلوٰۃ خیر من النوم۔"

حضرت عمر نے اپنے موذن سے کہا جب نماز صبح میں حی علی الفلاح تک پہنچنا تو کہنا الصلوٰۃ خیر من النوم الصلوٰۃ خیر من النوم۔

دوسری روایت میں ہے کہ:

"ان الموذن جاء الیٰ عمر ابن خطاب یوذن الصلوٰۃ للصبح فوجدہ نائماً فقال الصلوٰۃ خیر من النوم فامرہ عمر ان یجعلھا فی نداء الصبح۔"

موذن حضرت عمر کے پاس نماز کی اطلاع دینے کو آیا تو آپ کو سوتا ہوا پایا۔ اس نے کہا الصلوٰۃ خیر من النوم۔ آپ نے حکم دیا کہ اس فقرہ کو نماز صبح کی اذان میں داخل کردے۔

مگر بعض روایت میں ہے کہ خود حضرت عمر بھی اس کو برا سمجھتے تھے اور اس کی ممانعت کی نیت رکھتے تھے جس کا آپ کو موقع نہیں ملا۔

ملاحظہ ہو ابن جریح کی روایت:

"قال اخبرنی حسن ابن مسلم ان رجلاً سال طاؤساً متیٰ قیل الصلوٰۃ خیر من النوم قال اما انھا لم تقل علیٰ عھد رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ و آلہ و سلم و لٰکن بلالا سمعھا فی زمان ابوبکر بعد وفات رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ و سلم یقولھا رجل غیر موذن فاخذھا منہ فاذن منھا فلم یمکث ابوبکر الا قلیلاً حتیٰ اذا کان عمر لو نھینا بلالا عن ھذا الذی احدث و کانہ نسیہ و اذن بہ الناس حتیٰ الیوم۔"

ایک شخص نے طاوس یمانی سے پوچھا یہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہا جانا کس زمانے سے شروع ہوا ہے۔ انہوں نے کہا اتنا یقینی ہے کہ رسالت مآبؐ کے زمانے میں نہیں کہا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر کے زمانے میں بلال نے ایک شخص کی زبان سے جو موذن نہیں تھا الصلوٰۃ خیر من النوم کا فقرہ سنا تھا، انہوں نے اس کو اذان میں داخل کردیا۔ اس کے بعد ابوبکر بہت کم دن زندہ رہے۔ حضرت عمر کا زمانہ آیا تو انہوں نے کہا: اچھا ہو ہم بلال کو اُس نئے فقرہ سے جو وہ کہتے ہیں روک دیں۔ اس کے بعد شاید انھیں خیال نہ رہا اور انہوں نے منع نہیں کیا اور لوگ آج تک اس کو اذان میں کہتے رہے۔

اس کے بعد اگر چہ حضرت عمر کی صفائی موجود ہے لیکن بلال پر خواہ مخواہ یہ الزام آتا ہے کہ انہوں نے ایک عام آدمی کی زبان کے فقرہ کو اذان میں کیسے داخل کردیا۔

ایک روایت میں بلال پر سے بھی یہ الزام ہٹ جاتا ہے اور سعد کے سر جاتا ہے۔

"عن ابن جریح قال اخبرنی عمر ابن حفص ان سعداً اول من قال الصلوٰۃ خیر من النوم فی خلافۃ فقال عمر بدعۃ ثم ترکہ و ان بلالاً لم یوذن لعمر۔"

عمر ابن حفص کا بیان ہے کہ سعد نے سب سے پہلے "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہا۔ زمانہ حضرت عمر میں حضرت عمر نے کہا یہ بدعت ہے اس کے بعد پھر آپ نے چھوڑ دیا اور خاص طور سے منع نہیں کیا اور بلال نے تو زمانۂ عمر میں اذان دی ہی نہیں ہے۔

ان روایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس فقرہ الصلوٰۃ خیر من النوم کی نسبت کچھ پتہ ہی نہیں ہے کہ پہلا مخترع اس کا کون ہے۔

مجاہد کی روایت ہے کہ:

"کنت مع ابن عمر فسمع رجلاً یثوب فی المسجد فقال اخرج بنا من عند ھذا المبتدع۔"

میں عبداللہ ابن عمر کے ساتھ تھا۔ آپ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ مسجد میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہہ رہا ہے۔ آپ نے کہا: چلو ہٹیں اس بدعتی کے پاس سے۔

لا الہ الا اللہ کے دو مرتبہ یا ایک مرتبہ کہنے کے متعلق یہ ہے کہ اس خواب میں جس کے روایات کا سابق میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ بیشک لا الہ الا اللہ اذان کے آخر میں ایک ہی مرتبہ مذکور ہے اور بعض روایات میں تعداد بھی مذکور ہے کہ فصول اذان انّیس (۱۹) اور فصول اقامت سترہ (۱۷) ہیں لیکن صحیح بخاری سے جو اصح الکتاب الصحاح ہے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے۔

ملاحظہ ہو صحیح بخاری میں پہلی روایت "باب بدء الاذان":-

"حدثنا عمر ابن میسرۃ قال حدثنا عبد الوارث قال حدثنا خالد ابن ابی قلابہ عن انس قال ذکروا النار والناقوس فذکر ما الیھود والنصاریٰ فامر بلال ان یشفع الاذان وان یؤتر الاقامۃ۔"

انس کی رویت ہے کہ اعلان نماز کے لئے آگ کا تذکرہ ہوا (کہ روشن کر دی جایا کرے) اور ناقوس کا جس کے اوپر یہود ونصاریٰ کا نام لیا گیا کہ یہ ان کا طریقہ ہے اس وقت بلال کو حکم ہوا کہ وہ اذان واقامت کہیں، اذان جفت اور اقامت طاق۔

دوسری روایت "باب الاذان مثنیٰ مثنیٰ"

"عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان و ان یوتر الاقامۃ۔"

بلال کو حکم ہوا کہ نماز (اذان) کو جفت عدد کو ساتھ کہیں اور اقامت کو طاق عدد کے ساتھ۔

تیسری روایت:

"عن انس ابن مالک قال لما کثر الناس قال فذکروا ان اعلموا وقت الصلوٰۃ بشئی یعرفونہ فذکروا ان یوروا ناراً او یضربوا ناقوساً فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ۔"

جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو خیال ہوا کہ نماز کے وقت کوئی علامت ہونا چاہئے جس سے سب کو علم ہو جائے۔ اس سے متعلق ذکر ہوا کہ آگ روشن کر دی جایا کرے یا ناقوس بجا دیا جایا کرے لہٰذا بلال کو حکم ہوا کہ وہ اذان کو جفت اور اقامت کو طاق عدد میں کہیں۔

چوتھی روایت جس کے الفاظ بالکل دوسری روایت سے متحد ہیں۔

ان تمام روایات سے صاف ظاہر ہے کہ فصول اذان کا عدد شفع یعنی جفت ہونا چاہئے اور فصول اقامت کا عدد وتر یعنی طاق۔

عام روایات کی بنا پر اذان واقامت دونوں کا عدد طاق ہوتا ہے جو مذکورہ صحیح روایت کے بالکل منافی ہے اذان کی تعداد کا جفت اور اقامت کا طاق ہونا یونہی صحیح ہوتا ہے کہ اذان میں لا الہ الا اللہ مثل دیگر فصول کے جفت یعنی دو مرتبہ ہو۔ اب فصول اذان جفت اور فصول اقامت طاق رہیں گے جو صحیح بخاری کے مندرجہ بالا احادیث کے بالکل مطابق ہے۔

۞

مندرجہ بالا تفصیلی دلائل کی بنا پر اب ان سوالات کا جواب جو مذہب اہلسنت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں حسب ذیل جواب قرار پاتا ہے۔ (مطابق کتب اہلسنت):-

۱۔ الصلوٰۃ خیر من النوم کا ماثورہ یا رکن اذان ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہے اور جبکہ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ ابن عمر ایسی مقتدائے اہل سنت ہستیاں اس کو بدعت سمجھتی ہیں (جیسا کہ سابقہ روایت سے سابق ہوا) تو اسے صحیح طور سے شعار

اہل سنت سمجھنا بھی ممکن نہیں ہے۔

۲۔ مخصوص اہل تشیع کا تو اس کے متعلق جو عقیدہ ہے وہ دوسرے حصہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن ہمارے مذکورہ سابق بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ اشھد ان علیاً ولی اللہ کہنا اذان میں بر بنائے ''مصالح مرسلہ'' مطلوب اور محبوب اور موافق منشاء حضرت رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم ہے اس لئے اس کا شعار عامۂ اہل اسلام ہونا مناسب اور راجح ہے۔

۳۔ علمائے عراق وایران کے طرز عمل کا سوال حصۂ دوم سے تعلق رکھتا ہے۔

۴۔ **حی علیٰ خیر العمل** کا، زمانہ رسالت مآبؐ میں اذان میں کہا جانا ثابت ہے جس کے بعد وہ جزء اذان ہوگیا۔ اس کا کم کرنا ایک جزء اذان کا کم کرنا ہے جس کے بعد وہ اذان کی صورت قائم نہیں رہتی جو زمانۂ رسالت مآبؐ میں جبکہ وہ کہا جاتا تھا موجود تھی۔

۵۔ اذان میں ایک مرتبہ **لا الہ الا اللہ** کہنا اذان کی اس صورت کے خلاف ہے جو مطابق احادیث صحیحہ اذان کے لئے قرار دی گئی ہے۔

۶۔ اذان جو رسالت مآبؐ کے زمانہ میں تھی اس میں **حی علیٰ الفلاح** کے بعد **حی علیٰ خیر العمل** اور آخر میں **لا الہ الا اللہ** دو مرتبہ موجود تھا اور **الصلوٰۃ خیر من النوم** کا فقرہ موجود نہ تھا اور **اشھد ان علیاً ولی اللہ** کہنے کے مقتضی دلائل موجود ہیں جن کی بنا پر شہادت رسالت کے ساتھ شہادت ولایت بھی ادا کرنا سنت ہے۔

۷۔ کمی درست نہیں ہے۔ زیادتی ایسی جو عمومات لفظیہ یا مصالح مرسلہ کے تحت میں داخل ہو سکے، جائز ہے۔ تکبیر کی حقیقی صورت یعنی اللہ اکبر کہنے کے بعد کچھ بطور صفات باریٰ تعالیٰ ذکر کر دینا اور اسم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ درود وسلام بھیجنا اور **اشھد ان علیاً ولی اللہ** کہنا یہ سب صحیح و درست ہے۔

۸۔ **اشھد ان علیاً ولی اللہ** کے علاوہ جو دوسرے فقرات ذکر کئے گئے ہیں، ان کا اضافہ اس لئے درست نہیں ہے کہ نہ وہ بالخصوص ماثور ہیں اور نہ وہ مصالح مرسلہ کے تحت میں داخل ہوتے ہیں اس لئے کہ اہل سنت جو حضرت ابوبکر کی خلافت کو صحیح سمجھتے ہیں وہ بھی آپ کی خلافت کے متعلق حضرت رسولؐ کی قرار داد اور آپ کے اعلان کے قائل نہیں ہیں نہ یہ کسی بنا پر ثابت ہوسکتا ہے کہ حضرت صلعم کا منشاء اس کا اعلان تھا۔ اس طرح حضرت عباس کا عصبہ و وارث ہونا وہ بجائے خود صحیح ہو بھی تو حضرت رسولؐ کی رسالت کے ساتھ اس کے اعلان کا کسی حیثیت سے منشاء و مقصودِ حضرت رسول اکرمؐ ہونا ثابت نہیں ہوسکتا برخلاف ولایت حضرت علی کے اس لئے کہ جو لوگ آپ کی امامت بمعنی مصطلح عند الشیعہ کے قائل نہیں ہیں وہ بھی آپ کی ولایت ومولویت کو کسی نہ کسی معنیٰ میں، اور اس کے اعلان واظہار کو تسلیم کرتے ہیں۔

۹۔ **حی علیٰ خیر العمل** زمانۂ رسالت مآبؐ میں موجود تھا، **الصلوٰۃ خیر من النوم** موجود نہ تھا۔

۱۰۔ وہ اذان ہونا چاہئے جو حضرت رسول اکرمؐ کے قول و عمل اور منشاء کے مطابق ہو۔ عام افراد کے طرز عمل اور رواج کو کوئی چیز نہیں سمجھنا چاہئے۔

۱۱۔ جس فرقہ کا شخص اس مسجد کی تعمیر کرے اس کا حق مرجح ضرور ہے لیکن بنظر اخوت اسلامی دوسرے مسلمانوں کو بھی اس میں نماز وغیرہ سے روکنا نہیں چاہئے۔

اس کے بعد سوالات سب خالص شیعی نقطۂ نظر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کا جواب دوسرے حصہ پر محوّل کیا جاتا ہے۔

۞

(۲)

اب اس مسئلہ کا دوسرا حصہ شروع کیا جاتا ہے جو شیعی نقطۂ نظر سے تعلق رکھتا ہے۔

شیعی عقائد کی بنا پر رسالت مآب کے تمام احکام بر بناء حکم

الٰہی ووحی سماوی ہوتے تھے اور کوئی بات آپ کے ذاتی اجتہاد یا مشورت صحابہ کی بنا پر قرار نہ پاتی تھی۔ اجتہاد غیر معصوم سے مخصوص ہے اور معصومینؑ کا درجہ اجتہاد سے بلند ہے۔

عبادت کے اجزاء تمام تر توقیفی ہوتے ہیں اور بلا دلیل شرعی اس کے اجزاء میں کوئی کمی یا زیادتی صحیح نہیں ہے۔ لیکن دلیل شرعی جس سے کوئی حکم ثابت ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک دلیل خاص، دوسرے دلیل عام۔ جس طرح دلیل خاص اگر کسی امر پر قائم ہو تو وہ معتبر اور مستند اور لازم العمل ہے، اسی طرح دلیل عام بھی اپنے تمام مندرجہ افراد میں معتبر سمجھی جائے گی جب تک کسی فرد خاص کی تخصیص اور اس کا استثنا حکم عام سے ثابت نہ ہو۔

۞

اجزاء جو کسی عبادت کے ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ایک اجزاء ماہیت یعنی بغیر اس کے اصل حقیقت و ماہیت عمل کی متحقق نہیں ہو سکتی جیسے رکوع و سجود۔ حمد و سورہ وغیرہ نماز کے لئے، ان میں سے اگر کوئی ترک ہو جائے تو اصل حقیقت نماز متحقق نہ ہوگی۔

دوسرے جزء الفرد، یعنی اس عبادت کے مختلف مراتب میں سے کسی خاص درجہ کی فرد میں وہ مدخلیت رکھتا ہے کہ اگر اس جز کو نہ بجالایا جائے تو اس خاص درجہ کے ثواب کا جو اس عبادت میں اس جز کے بجالانے کی صورت میں ہو استحقاق نہ ہوگا جیسے قنوت بہ نسبت نماز کے۔ یہ جز ہے مگر ماہیت نماز کا جز نہیں ہے بلکہ ایک فرد ممتاز ماہیت کی جس کا ثواب زیادہ ہے اس کا جز ہے لہٰذا اس کے بجانہ لانے کے صورت میں نماز تو ہو جائے گی مگر وہ ثواب نہ ملے گا جو اس جز کے بجالانے کی صورت میں مل سکتا تھا۔

۞

کسی عبادت کی اصلی ماہیت کو بیان کرنے کے موقع پر اکثر ان اجزا پر اکتفا کی جاتی ہے جو اس کی اصل ماہیت کے اجزاء ہیں اور دوسری قسم کے اجزاء بدلیل منفصل (جداگانہ) ثابت ہوتے ہیں جس کے بعد وہ عبادت میں اس طور پر معتبر سمجھے جائیں گے جو ان کی دلیل کا تقاضا ہے اور وہ اسی طرح ماثور سمجھے جائیں گے جیسے کہ وہ مقام بیان ماہیت میں ذکر ہوئے ہیں دلیل عام کا حکم اس حیثیت سے مثل دلیل خاص کے ہے۔

۞

حدیث صحیح متفق علیہ کی بنا پر اجزاء شئی مستحب اور اجزاء مستحبہ شئی میں "تسامح فی ادلۃ السنن" کا کلیہ جاری ہے یعنی روایت ضعیف میں اس بارے میں درجہ روایت صحیح کا رکھتی ہے اور وہ معتبر اور لائق عمل ہے۔

۞

ہر امر مستحب بجائے خود اس کے ترک میں معصیت اور گناہ نہیں ہے لیکن حالات و اسباب اور مختلف حالات کی بنا پر اکثر اس میں ہمت پیدا ہوتی ہے اور اس کی بنا پر بعض اوقات اس کے ترک کا پابند ہونا ناجائز اور حرام ہو جاتا ہے۔

جیسے خود اذان مستحب ہے، واجب نہیں ہے لیکن ایسی صورت میں جب شعار اسلامی کا قیام اس پر موقوف ہو اور مخالفین اسلام محو شعار اسلامی کی غرض سے اس کے روکنے میں کوشاں ہوں تو اس کا قائم رکھنا اس وقت میں واجب اور اس کا ترک گناہ و معصیت ہوگا۔

یہی صورت ہے ہر مستحب کی اگر چہ وہ کوئی مذہبی یا فرقہ وارانہ حیثیت نہ رکھتا ہو۔ اگر کوئی اس کے روکنے پر مصر ہو اس طرح کہ اس مستحب کے محو ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس استحباب کو زندہ رکھنے کے لئے اس کے بجالانے پر قائم رہنا واجب و لازم ہوگا۔

بلکہ کسی امر مباح کو کوئی شخص بر بنائے تحریم ترک کرنے پر مصر ہو تو اس امر مباح کے اباحت کی حفاظت ہر پابند شرع کو لازم ہے اور اس کی تحریمی پابندی کو توڑنا ضروری ہے۔

۞

اذان و اقامت کی اصل ابتدا اُس وقت ہوئی ہے جب شب معراج حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المعمور پہنچے ہیں اور وہاں نماز جماعت ہوئی ہے جس میں صفوف ملائکہ نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔

اس روایت کو بسند صحیح ثقۃ الاسلام محمد ابن یعقوب کلینیؒ نے 'کافی' میں درج کیا ہے۔ اس کے بعد پھر جبرئیل امین دنیا میں تشریع اذان کے لئے جب نازل ہوئے ہیں تو وہ موقع تھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کی آغوش میں تھا۔ جبرئیل امین نے اذان و اقامت کہی جسے امیر المومنین نے بھی سنا اور آپ نے بحکم حضرت رسولؐ بلال کو تعلیم فرمایا۔

اس روایت کی بھی سند معتبر ہے اور کافی و تہذیب دونوں میں مذکور ہے۔

اذان کے جو اصلی اجزا بیان ماہیت کے طور پر ذکر ہوئے ہیں ان میں حی علیٰ خیر العمل اور لا الہ الا اللہ دو مرتبہ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو شیخ الطائفہ محمد ابن حسن الطوسیؒ کی کتاب تہذیب جو اصول اربعہ میں سے ہے۔

پہلی روایت:

"الحسین ابن سعید عن النضر عن عبد اللہ ابن سنان قال سألت ابا عبد اللہ عن الاذان فقال یقول اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ حی علیٰ الصلوٰۃ۔ حی علیٰ الصلوٰۃ۔ حی علیٰ الفلاح۔ حی علیٰ الفلاح۔ حی علیٰ خیر العمل۔ حی علیٰ خیر العمل۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ لا الہ الا اللہ۔"

دوسری روایت:

"محمد ابن علی ابن محبوب عن علی ابن السندی عن ابی ابن عمیر عن ابن اذینہ عن زرارۃ و الفضیل ابن یسار عن ابی جعفر قال لما اسریٰ بر سول اللہ فبلغ البیت المعمور حضرت الصلوٰۃ فاذن جبرئیل و اقام۔ فقلت لہ کیف اذن فقال اللہ اکبر اللہ اکبر۔ حی علیٰ خیر العمل۔ حی علیٰ خیر العمل۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ لا الہ الا اللہ۔"

تیسری روایت:

عنہ عن احمد ابن الحسن عن فضالۃ عن سیف بن عمیرۃ عن ابی بکر الحضرمی عن ابی عبد اللہ و کلیب الاسدی عن ابی عبد اللہ انہ حکیٰ لھما الاذان فقال اللہ اکبر۔ حی علیٰ خیر العمل۔ حی علیٰ خیر العمل۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ لا الہ الا اللہ۔"

لا الہ الا اللہ کے دو مرتبہ کہے جانے کے متعلق کافی میں بھی یہ روایت ہے:

"محمد ابن اسمٰعیل عن الفضل بن شاذان عن حماد ابن عیسیٰ عن حریز عن زرارۃ عن ابیہ جعفر قال قال یا زرارۃ تفتتح الاذان باربع تکبیرات وتختمہ بتکبیرتین وتھلیلتین۔"

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ اذان چار تکبیروں سے شروع ہوتی اور دو تکبیروں اور دو تہلیلوں پر ختم ہوتی ہے۔

۞

اشھد ان علیاً ولی اللہ۔ کے بارے میں احتجاج طبرسی میں یہ روایت ہے امام جعفر صادقؑ سے کہ

"اذا قال احدکم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فلیقل علی امیر المومنین۔"

اس سے شہادت رسالتؐ کے بعد مطلقاً شہادت ولایت کا حکم ثابت ہوتا ہے جس سے عمومی طور پر بھی اذان میں بھی شہادت ولایت کا رجحان ثابت ہوتا ہے۔ نیز خطبۂ غدیر خم میں جناب رسالت مآبؐ کا راشاد "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" اور اس کے بعد یہ فقرہ کہ "الا فلیبلغ الشاھد

الغائب" اعلان ولایت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے محبوب ومطلوب ہونے کی دلیل ہے اور بہترین طریقِ اعلان میں سے بعد شہادت رسالت اس کا اذان میں اقرار کرنا ہے جس میں کوئی ممانعت ثابت نہیں ہوئی لہٰذا یہ بھی بمقتضائے حکم رسولؐ محبوب ومطلوب اور راجح ومستحسن ہے اور اس حکم کی بنا پر یقیناً اس اذان میں کہ جو اس جز پر مشتمل ہو جو اجر وثواب ہو وہ کسی طرح اس اذان میں نہیں جو اس جز سے خالی ہو۔

الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا کسی حیثیت سے ثابت نہیں ہے بلکہ کافی کی حدیث صحیح میں معاویہ ابن وہب سے ہے کہ:

"سألت اباعبدالله عن التثویب فی الاذان و الاقامة فقال مانعرفه۔"

امام جعفر صادقؑ سے **الصلوٰۃ خیر من النوم** کے کہنے کا اذان واقامت میں تذکرہ ہوا حضرت نے فرمایا کہ "ہم اسے نہیں جانتے" یہ اس کے بے اصل ہونے کی صریح دلیل ہے۔

اب ان سوالات کا فرقۂ شیعہ کے نقطۂ نظر سے ترتیب وار جواب لکھا جاتا ہے۔

۱۔ پہلا سوال خالص مذہب اہل سنت سے تعلق رکھتا ہے جس کا جواب پہلے حصہ میں گذر چکا۔

۲۔ بیشک "**اشهد ان علیاً ولی الله**" کا اذان میں کہنا خواہ نماز فرادیٰ ہو کہ جماعت مستحب ہے جیسا کہ احتجاج طبرسی والی روایت میں گذرا اور اکثر علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔

علامہ محمد باقر مجلسیؒ جو گیارھویں صدی میں مجدد مذہب کی حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے بحار میں تحریر فرمایا ہے۔

لا یبعد کون الشهادة بالولایة من الاجزا المستحبه للاذان۔

بحر العلوم سید مہدی طباطبائی نجفی قدس اللہ سرہ اپنی کتاب "درمنظومہ" میں فرماتے ہیں۔

صل اذا ما اسم محمد بدا
علیه و الآل فصل لتحمدا
و اکمل الشهادتین بالتی
قد اکمل الدین بها فی الملة
وانها مثل الصلوٰة خارجة
عن خصوص بالعموم و الحجة

جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لو تو صلوات آپ پر اور آپ کی آل اطہارؑ پر بھیجو اور شہادتین کو (ناقص نہ چھوڑو)، کامل کرو، اس تیسری شہادت کے ساتھ جس کے ذریعہ سے ملت اسلامیہ میں دین کی تکمیل ہوئی ہے۔ یہ مثل صلوات کے خصوصی اجزا سے خارج اور عمومات کے ذریعہ سے جو حجت معتبر، لازم العمل ہے ثابت ہوئی ہے۔

شیخ الفقہا شیخ محمد حسن نجفی 'جواہر الکلام' میں تحریر فرماتے ہیں:

هی کالصلوٰة علیٰ محمدؐ عند سماع اسمه۔

شہادت ولایت کا ذکر کرنا مثل صلوات کے ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ پر آپ کے نام کے بعد"

محقق فقیہ بے بدل آقا رضا ہمدانی اپنی کتاب "مصباح الفقیہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"الاولیٰ ان یشهد لعلی علیه السلام بالولایة و امرة المومنین بعد شهادتین قاصد به الامتثال العمومات الدالة علیٰ استحبابه۔"

اس کے شعار اہل تشیع اور جز ایمان ہونے کے متعلق ملا محمد تقی مجلسیؒ نے "روضۃ المتقین" میں فرمایا ہے۔

"بہتر آنست کہ بگویم جزو ایمان است"

سید العلما مولانا سید حسین علیین مکان طاب ثراہ نے روضۃ الاحکام میں اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

"آنچہ گفتہ است خوب است"

۳۔ میں نے بگوش خود جہاں تک سنا ہے عتبات عالیات اور دیگر مقامات پر برابر **اشهد ان علیاً ولی الله** اور **حی علیٰ خیر العمل** کہا جاتا ہے۔

۴۔ حی علیٰ خیر العمل بہ اجماع علمائے شیعہ جزو اذان ہے۔

جناب سید المرتضیٰ علم الہدیٰ ''انتصار'' میں تحریر فرماتے ہیں:

مما انفردت به الاماميه ان يقول فى الاذان و الاقامة بعد قوله حى علىٰ الفلاح حى علىٰ خير العمل والوجه فى ذالک اجماع الفرقه المحقه عليه۔

اور محقق ابوالقاسم نجم الدین جعفر ابن سعید حلی اپنی کتاب ''معتبر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

قول حى علىٰ خير العمل فى الاذان و الاقامة سنة لا يصح الاذان مع ترکها۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر اس جزو کے اذان صحیح نہیں ہے۔

اذان کے آخر میں دومرتبہ ''لا اله الا الله'' کہنا جزو اذان ہے۔ ایک مرتبہ پر اکتفا کرنے سے اذان کامل متحقق نہ ہوگی اور اذان باطل ہوگی۔ احادیث اس کی جزئیت کے متعلق سابق میں درج ہوچکے ہیں۔

محقق نجم الدین حلی ''معتبر'' میں لکھتے ہیں:

اجماع الاصحاب علىٰ التهليل فى آخره مرتين۔

''مفتاح الکرامیہ'' میں ہے:

فى الناصريات و التذکره والمنتهى او البحار الاجماع علىٰ تثنية التهليل فى آخر الاذان۔

۶۔ اذان ماثور کی فرد کامل یہ ہے کہ جتنے اجزا بہ دلیل خاص اور بہ دلیل عام شرع سے ثابت ہوئے ہیں ان سب پر مشتمل ہو۔ غیر ماثور وہ ہے جس میں کوئی جز ایسا شریک کردیا گیا ہو جس پر نہ کوئی دلیل خاص ہو نہ دلیل عام جیسے **الصلوٰة خير من النوم** باعتقاد شیعہ یہ بدعت ہے اور حرام۔

۷۔ کمی کرنا اگر بطور التزام ترک واسقاط ہو تو وہ کسی جزو اذان ماثور میں جائز نہیں ہے خواہ جزو ماہیت ثابت بالخصوص ہو یا جزو فرد کامل ثابت بالعمومات اور کمی کرنا مقام عمل میں تساہل یا قلت وقت یا ضرورت کی وجہ سے ہو تو وہ اگر کسی ایسے جزو کے متعلق ہو جو ماہیت اذان میں دخیل ہے جیسے ''**حى علىٰ خير العمل**'' اور آخر میں دومرتبہ کلمۂ **لا اله الا الله** وغیرہ تو اصل اذان صحیح نہ ہوگی، باطل ہوگی اور ثواب اذان کا نہ ملے گا۔

اور اگر ایسے جز کے متعلق ہو جو فرد کامل میں دخل رکھتا ہے جیسے ''**اشهد ان امير المومنين علياً ولى الله**'' تو بغیر اس کے اذان ناقص ہوجائے گی اور وہ ثواب اس کا حاصل نہ ہوگا جو اس جز کے ساتھ عمل کرنے میں حاصل ہوتا۔ زیادتی اگر ایسی ہے جو صورت مقررہ اذان کو نہیں بدلتی اور خود کسی امر عمومی کے تحت میں داخل ہوتی ہے تو وہ اذان ماثور کی صحت کے خلاف نہیں ہے بلکہ خود موجب ثواب وتکمیل عبادت ہے۔

جیسے خداوند عالم کے بعض اوصاف کا بعد تمامیت تکبیر کے ذکر کردینا یا صلوات علیٰ محمد وآلہ بلکہ صلوات کے متعلق تصریح، تعمیم استحباب کی اذان میں بالخصوص ثابت ہوئی ہے جیسا کہ روایت زرارہ میں ہے جو بسند 'کافی' میں منقول ہے:-

قال ابو جعفر صل علىٰ النبى کلما ذکرته او ذکره ذاکر فى اذان او غيره۔

۸۔ جو اضافہ ہو وہ اگر کسی عموم حکم شرعی کے تحت میں داخل ہو تو جائز وراجح ہے، ورنہ حرام اور بدعت سیہ ہوگا۔

۹۔ الصلوٰة خير من النوم کہنا ماثور نہیں ہے۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ''انتصار'' میں تحریر فرماتے ہیں:

لو کان مشروعاً لوجب ان يقوم دليل شرعى علىٰ ذالک و لا دليل فيه۔

ابن ادریس حلی نے ''سرائر'' میں لکھا ہے:

لا يجوز فعل ذالک فمن فعله لغير تقيه کان مبدعا ماثوماً۔

سید العلماء علیین مکان طاب ثراہ روضۃ الاحکام میں تحریر

فرماتے ہیں:

"تبدیل حی علیٰ خیر العمل بقول شان الصلوٰۃ خیر من النوم در نماز صبح از بدع مخالفین است۔"

حی علیٰ خیر العمل ماثور ہے اس کے متعلق احادیث اور کلمات فقہا سابق میں ذکر ہو چکے۔

۱۰۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں کوئی اذان ماثورہ نہیں باقی رہی ہے جو تمام فرقوں میں مشترک حیثیت سے معمول بہ ہو۔ لیکن منبع دلیل ہے اور دلیل کی بنا پر ہم نے ثابت کیا کہ سنی اور شیعی دونوں نقطۂ نظر سے اذان ماثور یہی قرار پاتی ہے۔ دو مرتبہ **حی علیٰ خیر العمل** اور آخر میں **لا الٰہ الا اللّٰہ** دو مرتبہ پر مشتمل اور شہادت ولایت کا بھی سنی و شیعی دونوں نقطۂ نظر سے بعد شہادت رسالت کہنا راجح و مطلوب شارع مقدس ہے۔ اس میں کوئی ایسی فرقہ وارانہ خصوصیت نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے دوسرے فریق کے لئے دل آزار ہو۔

جس فرقے کا شخص اجازت حاصل کرے اس کا منشاء یہ ضرور ہے کہ اس کے فرقے کے لوگوں کو اس مسجد میں اپنے طریقہ سے اذان و نماز کی آزادی حاصل ہو دوسرے لوگوں کو ممنوع قرار دینے کا حق نہ ہو لیکن اپنے طریقہ پر اذان و اقامت کی آزادی ضرور ہونا چاہئے۔

۱۲۔ اذان کے معنیٰ ہیں اعلام اور وہ بغیر جہر متحقق نہیں ہوسکتا۔ اذان خفی ہونے کی صورت میں اس کی غرض و غایت مفقود ہو جاتی ہے۔

محقق حلیؒ "شرائع الاسلام" میں احکام اذان میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ان یرفع الصوت بہ"

شہید ثانی نے "روض الجنان" میں لکھا ہے:

"عن الصادق علیہ السلام ارفع صوتک"

نیز حضرتؑ نے فرمایا:

"**لا تکفین صوتک فان اللّٰہ یوجرک علیٰ مدّ صوتک**"

مفتاح الکرامہ میں ہے:

"**اذکار مخصوصہ موضوعة للاعلام بدخول وقت الصلوٰة و فی جامع المقاصد کما ھو ظاھر جماعة و صریح آخرین ان اصل شرعیة الاذان الاعلام۔**"

۱۳۔ جس طرح نماز کے لئے مسجد کو خاص خصوصیت حاصل ہے اسی طرح اذان کے لئے گھر کی اذان مسجد کے لئے کفایت نہیں کرسکتی یہاں تک کہ اگر نماز جماعت متعدد مساجد میں ہو تو ایک مسجد کی اذان دوسری مسجد کے لئے کافی نہیں ہے چہ جائیکہ گھر میں۔

علامہ حلیؒ "نہایۃ الاحکام" میں تحریر فرماتے ہیں۔

لو تعددت المساجد و لم یمکن جمع الناس فی واحد رزق عدد من الموذنین یحصل بھم الکفایة و یتأدی الشعار۔

۱۴۔ **اشھد ان علیا و لی اللّٰہ** کے متعلق سابق میں کافی توضیح سے لکھا گیا کہ وہ جزو فرد کامل اذان ہے بغیر اس کے اذان ناقص ہوگی۔

جبکہ اس کے ترک کرنے کی بطور پابندی محو شعار خواہش ہو تو اس وقت میں اس کے استحباب کا زندہ رکھنا حفظ شریعت اور حفاظت شعار کے تحت میں واجب و لازم ہے اور اس کے ترک کا پابند ہونا جائز نہیں ہے۔

۱۵۔ **حی علیٰ خیر العمل** اذان کا جزو لازم ہے اس کے ترک سے اذان باطل ہے۔

۱۶۔ اذان کے آخر میں **لا الٰہ الا اللّٰہ** دو مرتبہ کہنا لازم ہے۔ ایک مرتبہ کہنا ماثور نہیں ہے۔ کتب کا حوالہ سابق میں درج ہو چکا ہے۔

واللّٰہ العالم۔ علی نقی النقوی عفی عنہ یکم رجب ۱۳۵۳ھ

✿✿✿